# مفسر ابن کثیر اور ان کی تفسیر

(وہ کتابیں اپنے آباء کی......اس عنوان کے تحت اسلام کے مصادر و مراجع میں سے کسی ایک کتاب کا تفصیلی تعارف پیش کیا جاتا ہے، اس بار حافظ ابن کثیر کی تفسیر کا تعارف نذر قارئین ہے)

حافظ سید رشید احمد ارشد

**شیخ ابن کثیر کا پورا نام کنیت اور لقب یہ ہے: عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن عمرو بن کثیر البصری الدمشقی۔** آپ کا خاندان بصرہ میں مقیم تھا۔ آپ کے والد محترم عمرو بن کثیر نے دو خواتین سے نکاح کیا تھا، دوسری بیوی کے بطن سے حافظ اسماعیل ابن کثیر ۷۰۰ھ میں پیدا ہوئے جو اپنے والد کے سب سے چھوٹے فرزند تھے۔ ۷۰۳ھ میں اپنے والد کی وفات کے بعد اپنے بھائی کے ساتھ سات سال کی عمر میں دمشق آئے اور یہیں مختلف اساتذہ سے تعلیم حاصل کی، آپ نے شیخ کمال الدین عبدالوہاب کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی، مشہور اساتذہ مندرجہ ذیل تھے:

ابن شعنہ، اسحاق بن یحییٰ، الآمدی، علامہ ابن عساکر، علامہ جمال الدین یوسف بن عبدالرحمٰن المزی، امام ابن تیمیہ، ان میں سے امام ابن تیمیہ اور علامہ مزی کے ساتھ آپ کے تعلقات گہرے رہے، علامہ مزی اسماء الرجال کی مشہور تصنیف ''تہذیب الکمال'' کے مؤلف اور بہت بڑے عالم اور محدث تھے، انہوں نے اپنے نامور شاگرد کی علمی قابلیت کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی صاحبزادی کا نکاح آپ سے کر دیا تھا۔

آپ فقہی مسلک کے لحاظ سے شافعی تاہم امام ابن تیمیہ کے ساتھ خصوصی تعلقات رکھنے کی بناء پر بعض اوقات آپ ان کے مسلک کی حمایت کرتے تھے، چنانچہ مسئلہ طلاق میں آپ امام ابن تیمیہ کے مسلک کے مطابق فتوے دیتے رہے اور چونکہ یہ رائے ہر مسلک کے علماء کے خلاف تھی اس لئے اس کی حمایت کی پاداش میں آپ کو بہت تکالیف برداشت کرنی پڑیں۔ (شذرات الذہب: ۶/ ۲۳۱ والدرر الکامنہ لابن حجر العسقلانی: ۱/ ۳۷۴)

آپ تمام علوم اسلامیہ کے ماہر تھے، بالخصوص تاریخ، فقہ، تفسیر و حدیث کے امام تھے۔ آپ کا حافظہ بھی بہت قوی تھا،

اس وجہ سے ہر فن میں آپ کی معلومات بہت وسیع تھیں، اور اس کے ساتھ آپ کا مجتہدانہ انداز فکر تھا۔ جس بات کو صحیح سمجھتے تھے اس کا اظہار نہایت جرات اور بے باکی کے ساتھ کرتے تھے۔ انہیں یہ بے باکی اور مجتہدانہ انداز فکر امام ابن تیمیہ سے حاصل ہوا تھا اور اس کا ثبوت ان کی تفسیر اور تاریخ دونوں سے ملتا ہے۔

**تدریس:** ۷۴۸ء میں علامہ ذہبی کی وفات کے بعد آپ مشہور درس گاہ امام الصالح کی مشیخت کے عہدے پر فائز ہوئے اور شیخ سبکی کی وفات کے بعد آپ کافی عرصہ تک دار العلوم الاشرفیہ دمشق کے شیخ الحدیث بھی رہے۔ (طبقات المفسرین لداوٗدی ص:۳۲۷)

درس وتدریس کے علاوہ آپ تصنیف وتالیف میں بھی مشغول رہے۔ آپ کا طرز تحریر نہایت دلکش اور شگفتہ تھا۔ آپ فتویٰ بھی دیا کرتے تھے اور حسب ضرورت علمی مباحثہ اور مناظرہ میں بھی حصہ لیتے تھے۔ آپ شعر وسخن سے بھی دلچسپی لیتے تھے۔ محدث ہونے کے ساتھ ساتھ آپ زبردست فقیہہ بھی تھے اور اسماء الرجال کے ماہر بھی تھے۔ آپ نے ادلۃ التنبیہ اور مختصر ابن حاجب کی اصل احادیث پر جرح کی تھی۔ آپ کا حلقۂ درس بہت وسیع تھا، مذکورہ بالا مشہور مدارس کے علاوہ آپ نے دیگر مدارس میں بھی درس دیا۔

**علمی فضیلت:** آپ کی علمی فضیلت کا آپ کے معاصر علماء اور دیگر مشہور علماء ومحدثین نے اعتراف کیا ہے، بالخصوص علامہ ابن حجر عسقلانی مولف شذرات الذاہب نے آپ کی بہت تعریف کی ہے، البتہ ابن حجر عسقلانی نے یہ کہا ہے کہ عام محدثین کی طرح ان کا طریقہ نہ تھا بلکہ وہ ''محدثین فقہا'' میں سے تھے۔ (الدرر الکامنہ لابن حجر عسقلانی: ۱/۳۷۴)

کثرتِ تصنیف وتالیف کی وجہ سے آخر عمر میں آپ کی بینائی جاتی رہی تھی۔ آپ کی وفات ۷۷۴ھ میں ہوئی، آپ امام ابن تیمیہ کے مزار کے قریب مقابر الصوفیہ میں مدفون ہوئے۔

**تصانیف:** آپ کی تصانیف میں سب سے زیادہ مشہور آپ کی تفسیر اور تاریخ البدایۃ والنہایۃ ہے۔ یہ عجیب وغریب اتفاق ہے کہ آپ کے پیشرو ''طبری'' بھی اپنی تفسیر اور تاریخ کی وجہ سے مشہور تھے اور علامہ ابن کثیر کی شہرت بھی سب سے زیادہ ان دونوں قسم کی تصانیف کی وجہ سے ہے، ہم آپ کی تفسیر کا حال مفصل طور پر آگے چل کر بیان کریں گے۔

تاریخ اور تفسیر کے علاوہ آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف بھی مشہور ہیں:

(۱)......جامع المسانید والسنن للاقوام السنن: اس کتاب میں آپ نے تمام کتب کی احادیث کو حروف اور ابواب کی ترتیب کے مطابق مرتب کیا ہے۔ یہ غیر مطبوعہ مخطوطہ کتب خانہ خدیویہ مصر میں موجود ہے۔

(۲)......طبقات الشافعیہ: یہ کتاب بھی نایاب ہے۔

(۳)......تخریج ادلۃ التنبیہ لابی اسحاق ابراھیم بن علی شیرازی المتوفی ٤٧٦ ھ: اس میں شیخ شیرازی کی کتاب ادلۃ التنبیہ کی احادیث کی تعریف کی گئی ہے اور ان کی بعض احادیث پر جرح بھی کی ہے۔ یہ کتاب فقہ

شافعی میں ہے۔

(۴)......تخریج احادیث مختصر ابن الحاجب :اس میں شیخ جمال الدین ابوعمر عثمان بن عمر المالکی المتوفی ۶۴۶ھ کی کتاب کی احادیث کی تخریج کی ہے اور اس میں بھی ان کی بیان کردہ بعض احادیث پر جرح کی ہے جس سے آپ کی محدثانہ قابلیت کا ثبوت ملتا ہے۔

(۵)......مختصر کتاب الاحکام لسیف الدین آمدی :اس میں آمدی کی مشہور اصول فقہ کی کتاب کا خلاصہ کیا گیا ہے۔

(۶)......التکمیل فی معرفة الثقات والضعفاء والمجاھیل :اس میں علامہ مزی کی تہذیب الکمال اور میزان الاعتدال دونوں کا پانچ جلدوں میں نہایت جامعیت کے ساتھ اختصار کیا گیا ہے۔ یہ فن رجال میں ہے۔

(۷)......اختصار علوم الحدیث: یہ مقدمہ ابن الصلاح کا خلاصہ ہے۔

(۸)......سیرة صغیرہ :(۹)......الجھاد فی طلب الجھاد: یہ کتاب امیر منجک کی فرمائش پر لکھی گئی ہے۔ اس میں دشمنوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو جہاد کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

(۱۰)......آپ نے صحیح بخاری کی شرح کرنی بھی شروع کی تھی، مگر مکمل نہیں کر سکے۔ صرف ایک جز کی شرح کی ہے۔

(۱۱) کتاب الاحکام: یہ کتاب بھی احکام شریعت کے بیان میں نامکمل ہے جو اور ناقص رہ گئی، اس میں کتاب الحج تک کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔

(۱۲)......رسالہ فضائل القرآن اسے ''المنار'' کے مدیر علامہ رشید رضا نے ۱۳۴۸ء میں شائع کیا تھا، اس میں صحیح بخاری کے ''ابواب فضائل القرآن'' کی احادیث کی جامع اور مفصل شرح کی گئی ہے۔

(۱۳)......البدایة النھایة :یہ تاریخ عالم پر مشتمل یہ کتاب کئی جلدوں میں ہے، اس میں آپ نے اپنے عہد تک کے حالات تحریر کئے ہیں اور یہ تاریخ طبری سے بھی زیادہ معتبر اور مستند تاریخ ہے۔ کیونکہ اس میں آپ نے محدثانہ اصولوں کے مطابق تاریخی روایات بیان کی ہیں اور غیر معتبر روایات کو نظر انداز کر دیا ہے۔

(۱۴)......تفسیر ابن کثیر: یہ تفسیر آپ نے دس جلدوں میں تحریر کی تھی، اس کا مخطوطہ مکتبہ خدیویہ میں موجود ہے۔ (کشف الظنون: ۱/ ۳۰۵ و تاریخ آداب اللغة العرب از جرجی زیدان: ج ۳)۔ یہ ۱۳۰۰ھ میں نواب صدیق حسن خاں صاحب کی تفسیر فتح البیان کے حاشیہ پر شائع ہوئی تھی۔ ۱۹۶۷ء میں یہ تفسیر بغوی کے ساتھ شائع ہوئی تھی۔ ۱۹۳۷ء میں یہ مصر کے مطبع مصطفےٰ محمد میں بڑی تقطیع کی چار جلدوں میں شائع ہوئی۔ چاروں جلدوں کے صفحات کی مجموعی تعداد ۲۳۰۰، اور ۲۴۰۰ کے درمیان ہے۔ (اس تفسیر کو احمد شاکر مرحوم نے تفسیری روایات کی اسناد کو خارج کر کے شائع کرنے کا اہتمام بھی کیا تھا۔ تفسیر کے آغاز میں مفسر موصوف نے ایک مقدمہ بھی تحریر کیا تھا، جو شیخ ابن تیمیہ کے مقدمہ سے ماخوذ ہے)

**تفسیری خصوصیات:** حافظ ابن کثیر کی تفسیر کو علامہ ابن جریر طبری کی تفسیر کا خلاصہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ خیال ایک حد تک صحیح بھی ہے کیونکہ حافظ ابن کثیر نے طبری کو پسندیدہ اور صحیح روایات کا انتخاب کر کے انہیں اپنی تفسیر میں شامل کیا ہے، تاہم تفسیر طبری جیسی ضخیم کتاب کی چھان بین کرنا اور اس کی صحیح اور قابل اعتماد روایات کو جرح و تعدیل کے بعد الگ کرنا بھی ایک بہت بڑا علمی کارنامہ ہے جو شائقین علم پر بہت بڑا احسان ہے۔

مگر انہوں نے طبری کی صحیح روایات کا خلاصہ کرنے پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ تحقیق و تنقیح کے بعد بعض مقامات پر خود ابن جریر کے خیالات سے اختلاف بھی کیا ہے اور اپنی ذاتی تحقیق سے جدید معلومات بھی پیش کی ہے، نیز ضعیف روایات کی چھان بین کر کے ان پر تنقید بھی کی ہے۔

**محدثانہ تحقیق:** تفسیر میں آپ احادیث کے حوالوں کے ساتھ ساتھ صحابہ اور تابعین کے اقوال بھی پیش کرتے ہیں مگر صرف وہی اقوال نقل کرتے ہیں جن کا سلسلہ اسناد، تحقیق و تنقیح کے بعد آپ کے نزدیک صحیح ثابت ہو چکا ہو۔ تاہم آپ یہ کوشش کرتے ہیں کہ اگر قرآن کریم کی دیگر آیات کے ذریعہ کسی آیت کی تفسیر ممکن ہو تو انہی آیات کی روشنی میں تفسیر کی جائے، اس کے بعد احادیث نبوی کے ذریعے تفسیر میں مدد لی جائے اور سب سے آخر میں صحابہ اور تابعین و دیگر ائمہ و مفسرین کے اقوال پیش کئے جائیں۔ تاہم ان حضرات کی روایات بھی آپ کی محدثانہ تنقید و جرح سے محفوظ نہیں رہتیں، آپ انہیں روایت اور درایت کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں، اس سلسلے میں آپ مشہور مفسر سدی اور حضرات مجاہد، قتادہ، مکحول اور حضرت سعید بن المسیب کی روایات کا بھی تنقیدی نظر سے مطالعہ کرتے ہیں۔

**فقہی مباحثہ پر محاکمہ:** تفسیر ابن کثیر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ احکام قرآنی کی آیات کی توضیح و تفسیر کے موقع پر فقہی اختلافات تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور تمام علماء کے اقوال کو نقل کر کے ان کا محاکمہ کرتے ہیں، مثلاً سورۂ بقرہ کی آیات نکاح و طلاق میں انہوں نے فقہی مسائل کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، تاہم حد اعتدال سے تجاوز نہیں کیا ہے۔

**بہترین تفسیر:** انہی خصوصیات کی بدولت جمہور مفسرین تفسیر طبری کے بعد تفاسیر ماثورہ میں اسے بہترین تفسیر سمجھتے ہیں بلکہ اکثر محدثین ان کی محدثانہ خصوصیات کی بدولت اسے سب سے زیادہ مستند تفسیر خیال کرتے ہیں۔

چنانچہ علامہ سیوطی نے ذیل تذکرۃ الحفاظ میں اور زرقانی نے شرح المواہب میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ اس جیسی تفسیر اب تک نہیں لکھی گئی۔ (رسالۃ المستطرفۃ، از کتانی: ص ۱۴۶)

**تفسیر بالقرآن:** اس تفسیر کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ علامہ ابن کثیر ہر آیت کی تفسیر نہایت آسان اور مختصر عبارت میں کرتے ہیں اور اگر ایک آیت کی دوسری آیت سے توضیح ہوتی ہو تو وہ آیت بیان کر کے اس کے ذریعہ توضیح و تفسیر فرماتے ہیں، یعنی تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول کو آپ ہمیشہ ترجیح دیتے ہیں اور مختلف آیات کی تفسیر و توضیح میں

آپ نے اس اصول کو ہمیشہ مقدم رکھا ہے۔اس کے بعد آپ آیت سے متعلقہ احادیث واقوال صحابہ وتابعین پیش کرتے ہیں۔

**اسرائیلیات کی مخالفت:** سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ اپنی تفسیر ماثور میں اسرائیلیات کی چھان بین کرتے ہیں اور ان کے ضعف کا اظہار کرتے ہیں۔اس سلسلے میں بعض اوقات آپ اجمالی اشارے کرتے ہیں اور بعض اوقات ان مخصوص روایات کی صراحت بھی کرتے ہیں۔اسرائیلیات کے بارے میں آپ یوں ارشاد فرماتے ہیں:

''ہمارا مسلک یہ ہے کہ اس تفسیر میں اسرائیلی روایات سے پرہیز کیا جائے ان کی طرف توجہ کرنا وقت کو ضائع کرنا ہے،ان کی اکثر روایات میں جھوٹ شامل ہوتا ہے،کیونکہ اس امت (مسلمانوں) کے ائمہ فن اور نقاد ان حدیث کی طرح اہل کتاب نے صحیح وسقیم روایات کو پرکھنے کی کوشش نہیں کی ہے۔''
(تفسیر ابن کثیر:۳/۱۸۲)

**اسرائیلیات کی اقسام:** اس بارے میں آپ نے مزید یہ ارشاد فرمایا ہے:

''اسرائیلی روایات تائید وتقویت کے بجائے صرف استشہاد کے لئے پیش کی جاسکتی ہیں کیونکہ ان کی تین قسمیں ہیں:

(۱)......وہ اسرائیلی روایات جن کی صحت وصداقت قرآن مجید سے معلوم ہوجائے اور وہ اس کے مطابق ہوں،یقیناً صحیح ہیں۔

(۲)......ایسی روایات جو قرآن مجید کے مخالف ہوں تو ان کا غلط اور جھوٹ ہونا بالکل واضح ہے۔

(۳)......جن روایات کا صدق وکذب قرآن مجید سے نہ معلوم ہوسکے تو انہیں نہ تسلیم کیا جاسکتا ہے اور نہ ان کی تردید کی جاسکتی ہے۔ایسی روایات کو نقل کرنا جائز ہے۔

مگر اس آخری قسم کی اکثر روایات بھی بے سود اور مذہبی اعتبار سے غیر مفید ہیں کیونکہ خود علمائے اہل کتاب کا اس قسم کی روایات میں بھی شدید اختلاف ہے،مثلاً اصحاب کہف کے نام اور ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔نیز ان چڑیوں کے ناموں کے بارے میں اختلاف ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اطمینان قلب کے لئے زندہ کردیا تھا۔ان سب کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مبہم رکھا ہے، کیونکہ ان کے تعین سے کوئی دنیاوی یا دینی فائدہ نہیں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج۱ص۴)

**غیر معتبر روایات:** آگے چل کر چھبیسویں پارے کی سورۂ قاف کی تفسیر میں اسرائیلیات کے بارے میں مزید ارشاد فرماتے ہیں:

''بعض علمائے سلف کی روایت ہے کہ''قاف''ایک پہاڑی ہے جو تمام روئے زمین کا احاطہ کئے ہوئے

ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت بھی بنی اسرائیل کی ان خرافات سے ماخوذ ہے جنہیں نہ جھٹلایا جاسکتا ہے اور نہ ان کی تصدیق ممکن ہے۔

میرے خیال میں اس قسم کی روایات ان کے بعض ان بے دینوں (زندیقوں) کی جعلسازی کا نتیجہ ہے جنہوں نے اپنے مذہب میں گڑ بڑ پیدا کرنے کی کوشش کی تھی، ہماری امت میں بھی جعلی اور موضوع روایات گھڑی گئیں، تاہم ہمارے علماء اور محدثین احادیث نبوی کی زبردست حفاظت کرتے رہے، کیونکہ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا، مگر بنی اسرائیل کا زمانہ بہت قدیم تھا اور اس طویل عرصے میں ان روایات کے حفاظ اور محققین اور ناقدین کی ان کے ہاں بہت کمی رہی۔

پھر خود ان کے علماء روایات اور خود الہامی کتب میں تحریف کرتے رہے اور اس کے ساتھ ساتھ شراب نوشی کا ارتکاب کرتے رہے اور الہامی کتب اور ان کی آیات کو حسب منشا تبدیل کرتے رہے تو لہٰذا ان کی روایات کیسے قابل اعتماد ہوسکتی ہے؟

شارع علیہ السلام نے ان کی روایات کو صرف اس صورت میں جائز رکھا ہے جبکہ وہ عقل اور قیاس کے مطابق ہوں، لیکن اگر ایسی روایات کو عقل محال قرار دے اور ذوق سلیم اسے غلط اور بے بنیاد قرار دے تو ایسی روایات کو نقل کرنا اور ان پر اعتماد کرنا جائز نہیں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر:۴/۲۲۱)

**ربط آیات کریمہ:** علامہ ابن کثیر نے امام رازی کی طرح قرآن کریم کی آیات کریمہ میں باہمی ربط و نظم کی مناسبت کو جابجا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، مثلاً وہ سورۂ بقرہ کی اس آیت کریمہ کی تفسیر کے موقع پر تحریر کرتے ہیں۔

﴿وان کنتم فی ریب مما نزلنا الخ﴾ ’’اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت ثابت کی تھی، اس کے بعد اب نبوت کا اثبات ہے۔‘‘ (تفسیر:۱/۵۹)

﴿ وعلم آدم الاسماء ﴾ کی آیت کی تفسیر کے موقع یوں ارشاد فرماتے ہیں:

’’اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے بنو آدم کے ملائکہ کے مقابلہ میں شرف و عظمت کو اس طرح ظاہر کیا ہے کہ ان کی دیگر مخلوقات کے مقابلہ میں تمام چیزوں کے ناموں کی تعلیم دی تھی، یہ تعلیم ’’سجود ملائکہ‘‘ کے بعد بھی جاری رہی۔ تاہم اس کا ذکر اس لئے پہلے کیا گیا تاکہ فرشتوں پر ان کی فضیلت ظاہر ہو اور فرشتے تخلیق آدم کی حکمت سے واقف ہوسکیں۔‘‘ (تفسیر:۱/۷۲)

لقد ارسلنا نوحاً الی قومہ (اعراف) کا ماسبق و مابعد سے تعلق اس طرح بیان کیا ہے۔

’’سورت کے آغاز میں حضرت آدم کا قصہ اور اس سے متعلقہ امور کا ذکر کیا گیا تھا، اس سے فارغ ہونے کے بعد اب عام پیغمبروں کا زمانی ترتیب کے لحاظ سے تذکرہ کیا جارہا ہے چونکہ حضرت نوح علیہ السلام کا زمانہ سب سے قدیم ہے، اس لئے قدرتی طور پر سب سے پہلے ان کا تذکرہ موزوں تھا۔‘‘ (تفسیر ابن کثیر:۲/۲۲۳)

اسی طرح ﴿وھوالذی مدالارض﴾ (یہ وہی (اللہ) ہے جس نے زمین کو پھیلایا) کی آیت کے ربط وتناسب کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

''چونکہ عالم علوی کا ذکر پہلے کیا گیا تھا، اس لئے اب اپنی قدرت وحکمت اور عالم سفلی کا تذکرہ ضروری سمجھا گیا۔ (تفسیر کثیر:۲/۵۰۰)

آگے چل کر ﴿الم یان للذین آمنو ان تخشع قلوبھم﴾ (سورہ حدید)، (کیا ایمان والوں کے لئے یہ وقت نہیں آیا کہ ان کے قلوب اللہ کے ذکر سے (متاثر ہوکر) خشوع وخضوع اختیار کریں) کے بعد ﴿اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتھا﴾ (جان لو کہ درحقیقت اللہ ہی زمین کو، اس کے مردہ ہونے کے بعد زندگی عطا کرتا ہے) کو بیان کر کے ربط وتناسب کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

''جس طرح پانی کے ذریعے اللہ تعالیٰ خشک زمینوں کو سیراب کرتا ہے، اسی طرح وہ ایمان اور وحی کے ذریعے، گناہوں کے اثر سے سخت ہوجانے والے دلوں میں سوز وگداز بھی پیدا کرسکتا ہے، اسی طرح وہ حیران اور بھٹکے ہوئے لوگوں کو صحیح راستے کی ہدایت بھی دے سکتا ہے اور ان کے مصائب وآلام کو ختم کرسکتا ہے۔ کیونکہ جس طرح خشک مردہ اور بے آب وگیاہ زمینیں بارش سے لہلہا اٹھتی ہیں، اسی طرح قرآنی دلائل وبراہین سے سنگ دلوں کو بھی ہدایت مل سکتی ہے اور ان کے سینے کھول کر ان میں روشنی پہنچائی جاسکتی ہے۔'' (تفسیر ابن کثیر:۴/۳۱۱)

**تقابل:** قرآن کریم کا ایک خاص اسلوب تقابل بھی ہے، جو اس کے منظم اور مربوط ہونے کی ایک بڑی دلیل ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کریم میں مثلاً اگر کافروں کا تذکرہ کیا گیا ہے تو اس کے بعد مومنوں کا تذکرہ کیا جائے گا تاکہ دونوں کی زندگی اور ان کے اعمال کا مقابلہ ہوسکے۔ ایسے موقع پر بالعموم کافروں کے لئے عذاب اور مومنوں کے ثواب کا ذکر کیا جاتا ہے۔

چنانچہ حافظ ابن کثیر سورۂ بقرہ کی آیت ﴿وبشر الذین آمنو﴾ کی تفسیر کے موقع پر تحریر فرماتے ہیں۔

''چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمنوں یعنی بد بخت کفار کے انجام کا تذکرہ کیا تھا، اس لئے اس مناسبت سے اب ان کے مقابلے میں اپنے دوستوں، یعنی خوش قسمت مومنوں کے اجر وثواب کا ذکر کیا ہے۔''

**مثانی کا مفہوم:** صحیح قول کے مطابق مثانی کا مفہوم بھی یہی ہے کہ ایمان وہدایت کے مقابلے میں کفر وضلالت کا تذکرہ اور سعادت مندوں کے ذکر کے ساتھ ساتھ بدبختوں کا ذکر کیا جائے۔ اس کے برعکس بھی ذکر ہوسکتا ہے، یعنی کفر وضلالت کے بعد ایمان وہدایت اور بدبختوں کے بعد خوش بختوں کا تذکرہ کیا جائے۔ اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی چیز کے ساتھ اگر اس کے مقابل اور متضاد چیز کا ذکر کیا جائے تو یہ طریقہ مثانی کہلایا جائے گا اور اگر کسی چیز کے ساتھ اس کے امثال ونظائر کا تذکرہ کیا جائے تو یہ متشابہ ہوگا'' (تفسیر ابن کثیر:۱/۶۲)

**مثانی اور تشابہ:** ایک دوسرے مقام پر اس خیال کی مزید وضاحت اس طرح فرماتے ہیں:

"بعض علماء کا خیال ہے اور حضرت سفیان بن عینیہؒ کی بھی یہ رائے کہ متشابہ اور مثانی کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کریم کا طرز بیان یہ ہے کہ کبھی ایک ہی مفہوم کو بیان کیا جاتا ہے، اس صورت میں ایسی دو چیزیں متشابہ کہلاتی ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ایک قسم کا مضمون بیان کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ اس کے مقابلے میں امر مخالف کا بھی تذکرہ ہوتا ہے، مثلاً مؤمنین اور کفار یا جنت و دوزخ جیسی دو متضاد چیزوں کا یکے بعد دیگرے بیان ہوتا ہے اس قسم کے دو متضاد چیزوں کے بیان کو "مثانی" کہا جاتا ہے، اس قسم کی مثالیں قرآن مجید میں بکثرت ہیں، چند آیات ملاحظہ ہوں۔

(۱) ......﴿ان الابرار لفی نعیم وان الفجار لفی جحیم﴾ (بیشک نیک لوگ ضرور نعمت والی بہشت میں ہوں گے اور بے شک بدکار ضرور بالضرور دوزخ میں ہوں گے)

(۲)......﴿کلا ان کتاب الفجار لفی سجین﴾ اس کے بعد فرمایا کلا ان کتاب الابرار لفی علیین

(۳) ھذا ذکر ۔ وان للمتقین لحسن مآب ۔ اس کے بعد فرمایا ۔ ھذا ۔ وان للطاغین لشر مآب ۔ اس قسم کے اسالیب تقابل، مثانی کہلاتے ہیں۔

اگر کچھ عبارتیں، ایک ہی قسم کے مفہوم کو ظاہر کریں اور ایک دوسرے کا مفہوم ملتا جلتا ہو تو انہیں متشابہ کہا جائے گا۔ لیکن متشابہ کی یہ اصطلاح اس اصطلاح سے مختلف ہے جس کا ذکر سورۂ آل عمران میں "واخر متشابھات" کہا کر کیا گیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر، مطبوعہ مصر، ج ۴۔ ص ۵۰) ☆......☆......☆

## حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ کی لطافت

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں روافض کی گولی سے شہید ہوئے ۔ کسی نے زخمی ہونے کے بعد دریافت کیا کہ حضرت! تکلیف تو نہیں؟ فرمایا: تکلیف تو نہیں البتہ بارود جو اندر رہ گیا ہے اس کی بو سے دماغ کو سخت ایذا پہنچ رہی ہے۔ شہادت سے پہلے مسجد کو یہ شعر پڑھتے ہوئے جا رہے تھے ؎

سر جدا کرد از تنم    یارے کہ باما یار بود

یعنی میرے جسم سے سر جدا کرتا کہ اپنے یار کے پاس پہنچ جائیں۔

جب خدام نے کندہ کرنے کے لیے مصرعہ میں تردد کیا تو دیوان کھولنے سے یہ شعر نکلا۔

بلوح تُربت من یافتند از غیب تحریرے    کہ ایں مقتول را جز بے گناہی نیست تقصیرے

یعنی میری قبر کی تختی پر غیب سے لکھا ہوا پایا گیا کہ اسے بے گناہ قتل کیا گیا ہے اس کی کوئی غلطی نہیں تھی۔

(ملفوظات حکیم الامت: ۲۸۷/۱۵)